جیو تو ایسے

نظیر فاطمہ

اس دفعہ میں لاہور اپنے میکے آئی تو مجھے معلوم ہوا کہ حمیرا بھی میکے آئی ہوئی ہے اور اسے آج رات ہی واپس چلے جانا ہے۔ میں نے سامان امی کی طرف تقریباً پھینکا اور چچا جان کی طرف دوڑ گئی۔ وہ میری چچا زاد تھی اور ہم دونوں کی بچپن سے ہی گہری دوستی تھی۔ شادی کے بندھن نے ہمیں دو مختلف شہروں میں بسا دیا تھا۔ ہم دونوں کتنی ہی دیر ایک دوسرے سے لپٹی رہیں۔ وہ مجھ سے الگ ہوئی تو اس کی پلکیں بھیگی ہوئی تھیں۔

''حمیرا کیا بات ہے؟'' میرے پوچھنے کی دیر تھی، وہ سسکیوں سے رونے لگی۔ میں گھبرا کر اس کی طرف بڑھی، وہ تو شکر تھا کہ اس وقت گھر میں ہم دونوں ہی تھیں۔ چچی جان مارکیٹ گئی ہوئی تھیں۔ باقی سب اس وقت اپنے، اپنے معمول پر تھے۔

''حمیرا مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے؟ یہ صرف میری محبت ہے یا کوئی اور مسئلہ ہے؟'' میں نے اس کا چہرہ ٹھوڑی سے پکڑ کر اونچا کیا تو وہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگی۔

میں بے بسی سے ہونٹ کاٹنے لگی۔ اسے روتا چھوڑ کر میں اٹھی اور گلاس میں ٹھنڈا پانی لے کر آئی۔

''یہ لو، پانی پیو......'' میں نے گلاس اس کی طرف بڑھایا۔

حمیرا خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ صاف کیا اور پانی کا گلاس لبوں سے لگا لیا۔ تھوڑی دیر کے لیے ہم دونوں کے درمیان

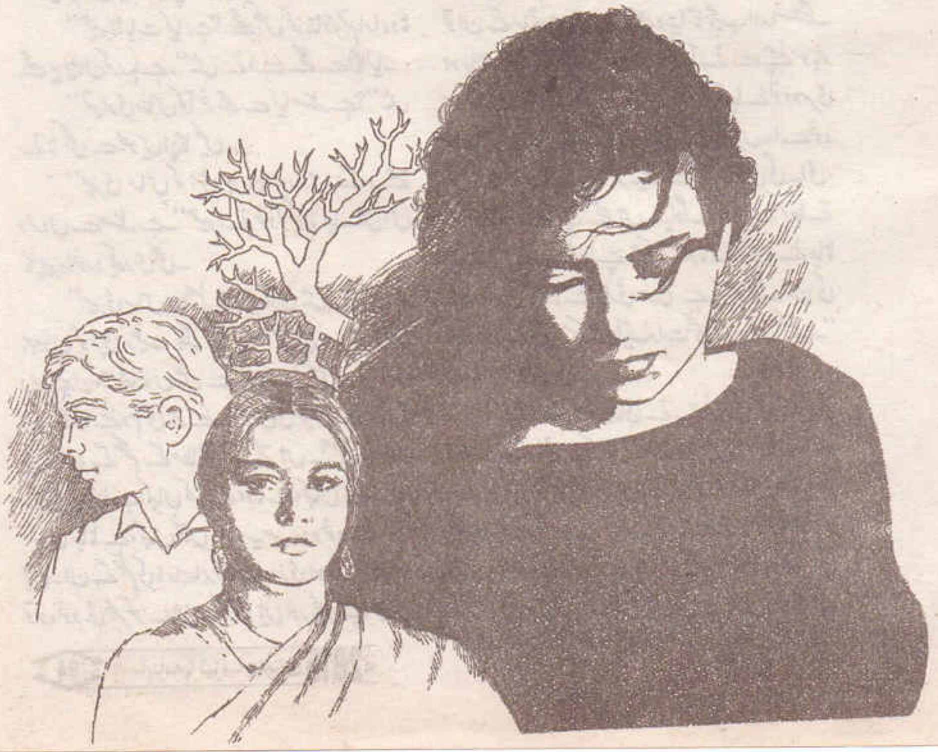

خاموشی آن ٹھہری...... پھر میں نے ہی ہمت کی۔
''حمیرا مجھے بتاؤ ایسی کیا بات ہے جو تمہیں یوں رُلا رہی ہے۔ پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم دونوں نے اپنا کوئی مسئلہ ایک دوسرے سے چھپایا ہو۔ پھر اب ایسا کیا ہوگیا؟'' میں نے اپنا دایاں بازو اس کے گرد حمائل کردیا۔ حمیرا نے میرا بایاں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔
''ناہید! مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ میں کہاں سے شروع کروں؟'' وہ رکی۔
''ناہید! تم جب لاہور آتی ہو تو میری سسرال میں مت آیا کرو۔'' اس نے بڑی دقت سے بات مکمل کی۔
''یہ تم کیا کہہ رہی ہو، ایسی بھی کیا بات ہوگئی؟'' مجھے اس کی بات ناگوار گزری تو لہجے میں سختی در آئی اور میرے مزاج کے ہر موسم سے واقفیت رکھنے والی حمیرا نے فوراً میرے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔
''پلیز ناہید! مجھے معاف کردو...... لیکن اگر تم آؤ گی تو میری ساس میرے ساتھ، ساتھ تمہاری بھی بے عزتی کریں گی اور میں مر کر بھی ایسا نہیں چاہوں گی۔'' وہ پھر رودی۔
''حمیرا! بات کیا ہے؟ مجھے کھل کر بتاؤ، تمہارا رونا مجھے پریشان کررہا ہے۔'' میں نے اسے گلے سے لگالیا۔
''تمہاری ساس کو آخر مجھ سے کیا مسئلہ ہے؟'' میں نے ناسمجھی سے بھویں اچکائیں۔
''میری ساس کو اپنی ہر بہو اور اس کے رشتے داروں سے مسئلہ ہے۔'' حمیرا نے خود کو کمپوز کیا۔ میں اس کا چہرہ بغور دیکھ رہی تھی۔
''میری ساس دراصل ان عورتوں میں سے ہیں جو بہوؤں کو اپنی رعیت بلکہ کنیزیں سمجھتی ہیں۔ ہم تینوں دیورانیوں، جیٹھانیوں میں سے کسی کی مجال نہیں ہے کہ کوئی ان کے سامنے دم بھی مار سکے۔ ہم ان کی مرضی سے سوتے ہیں، ان کے حکم کے مطابق جاگتے ہیں۔ ہمیں کیا کھانا ہے، کیا پہننا ہے، کہاں کھڑے ہونا ہے، کہاں بیٹھنا ہے، کہاں جانا ہے، کہاں نہیں جانا، یہ سب وہ خود طے کرتی ہیں۔ ان کے حکم کی ذرا برابر خلاف ورزی ہوجائے تو پہلے تو وہ خود جی بھر کر بے عزت کرتی ہیں اور پھر اپنے بیٹوں سے کرواتی ہیں۔ یہ تو خدا کا شکر ہے کہ ہماری سانسیں آزاد ہیں ورنہ ان کے بس میں ہو تو وہ ہمارے سانس لینے پر بھی اپنی مرضی مسلط کردیں۔'' اس نے رک کر اپنے آنسو پونچھے جو خاموشی سے بہے جارہے تھے۔
''تم لوگ اپنے، اپنے شوہر سے بات کرو...... یہ کوئی انسانیت تو نہیں ہے ناں......'' مجھے غصہ چڑھ گیا۔
''اونہہ شوہر سے...... ارے ہمارے تو سسر میں ان سے ٹکرانے کی جرأت نہیں، بیٹے کس کھیت کی مولی ہیں۔'' اس نے تنفر سے سر جھٹکا۔
''میرے شوہر سمیت میرے دونوں جیٹھ ان سے اتنا دبتے ہیں کہ ان کی ہر جائز اور ناجائز بات مانتے ہیں۔ ہم ان سے اپنے حق کے لیے تو کیا بات کریں، اپنے دل کی بات تک شیئر نہیں کرسکتے۔'' وہ بہت دلگرفتہ تھی۔
''بھئی یہ کیا بے ہودگی ہے؟ کیا بہویں انسان نہیں ہوتیں۔'' میں بڑبڑائی۔
''میری ساس کے نزدیک ہم لوگ واقعی انسان نہیں ہیں۔ ہم تینوں میں سے کسی کا کوئی رشتے دار آجائے تو ان کے ساتھ میری ساس کا رویہ اتنا عجیب اور انسلٹنگ ہوجاتا ہے کہ اگلی بار کوئی ہمارے گھر آنے سے پہلے سو بار سوچتا ہے۔ پھر بھی اگر کوئی ڈھیٹ بن کر آجائے تو دوسری سے تیسری بار اس بہو کے کان میں کہہ دیتی ہیں۔ اسے خود منع کردو ورنہ میں اپنے طریقے سے منع کردوں گی۔ امی، ابو ان کا رویہ بھانپ گئے ہیں۔ یہ لوگ اُدھر بہت کم جاتے ہیں۔ ہمیں جب بھی اپنے میکے آنا ہوتا ہے تو لانا لے جانا میکے والوں کی ذمے داری ہوتی ہے۔ ہم لوگ ان کی اجازت کے بغیر میکے میں ایک رات بھی نہیں رک سکتیں۔'' وہ سانس لینے کو رکی۔
''ایک دفعہ بڑی بھابی نے یہ جرأت کی تھی کہ ان کی اجازت کے بغیر میکے میں رات رہ گئیں۔ اگلے روز وہ واپس آئیں تو میری ساس نے خود تو جو طوفان اٹھایا سو اٹھایا، رات کو میرے جیٹھ کے سامنے رونا دھونا مچا کر انہیں باقاعدہ پٹوایا۔ اپنے پڑھے لکھے جیٹھ کو جاہلوں کی طرح اپنی بیوی کو پیٹتے دیکھ کر میں سر سے پاؤں تک کانپ

رہی تھی۔ بڑی بھابی مار کھا رہی تھیں اور میری ساس انگلی اٹھا کر مجھے اور میری چھوٹی جیٹھانی کو دھمکی دے رہی تھیں کہ ان کی حکم عدولی کرنے والوں کی یہ سزا ہوتی ہے۔ کبھی کبھی تو میرا دل چاہتا ہے سب چھوڑ چھاڑ کر آ جاؤں۔'' وہ خاموش ہوئی تو مجھے لگا میری سانسیں رک گئی ہیں۔ وہ پتا نہیں کس جاہلیت کے دور کی باتیں بتا رہی تھی۔

''اُف اس طرح کے ماحول میں تم لوگ زندہ کیسے ہو؟'' میرے لہجے میں تاسف تھا۔ اس نے میری بات کا جواب نہ دیا۔

''اور سنو ان کے ہر ظلم کے باوجود ہمیں حکم ہے کہ انہیں امی جان کہہ کر بلائیں۔ میرا تو دل چاہتا ہے کہ انہیں مخاطب کرنا تو دور کی بات ان کی طرف دیکھوں تک نہیں...... مگر کیا کروں کہ پھر بھی یہ سب کرنا پڑ رہا ہے۔'' اس نے بے بسی سے آہ بھری۔

''اگر انہیں عزت کروانے کا اتنا ہی شوق ہے تو اپنے طور طریقے بدلیں، یوں زبردستی بھی بھلا کسی سے عزت کروائی جا سکتی ہے۔ آئی ایم سوری حمیرا! مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ تم ان حالات سے گزر رہی ہو۔'' مجھے واقعی بہت افسوس ہوا۔

''ہاں، مجھے تو لگتا ہے کہ دو سالوں سے کسی زندان میں رہ رہی ہوں...... پھر یہ سوچ کر صبر کرتی ہوں کہ کبھی تو ان سے نجات ملے گی ناں......'' اس کا بیٹا جاگ گیا تھا۔ سو وہ اس کے ساتھ مصروف ہو گئی۔

☆☆☆

آج میں تین سال کے بعد اس کے گھر جا رہی تھی۔ ہاں اس کی ساس کی تعزیت کرنے...... میری اڑھائی سال کی بیٹی میرے ساتھ تھی۔ حمیرا نے میرا پُرجوش استقبال کیا۔ وہ مجھے ڈرائنگ روم میں لے گئی۔ اس کی دونوں جیٹھانیاں بھی وہیں آ گئیں۔ دونوں خاصی خوش اخلاق تھیں۔ میں نے ان لوگوں سے تعزیت کرنے کے بعد ان کی ساس کی مغفرت کی دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو میں نے محسوس کیا کہ تینوں نے جیسے بادلِ ناخواستہ ہاتھ اٹھائے ہوں۔

''حمیرا تم ناہید کے پاس بیٹھو، ہم دونوں چائے کا انتظام کر لیں پھر مل کر گپ شپ کریں گے۔'' اس کی جیٹھانیوں نے کچن کی راہ لی۔

آج مجھے وہ تینوں بہت کِھلی کِھلی لگی تھیں ورنہ اپنی ساس کی موجودگی میں تو بہت ہی دبو اور گھٹی گھٹی سی رہتی تھیں۔

''حمیرا! تمہاری ساس کو کیا ہوا تھا، بیمار تھیں کیا؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''ہونا کیا تھا؟ وقت پورا ہو گیا تھا بڑی بی کا...... بس ایک ہارٹ اٹیک اور بات ختم...... شکر ہماری جان چھوٹی۔'' اس کے لہجے میں نفرت بہت واضح تھی۔

''حمیرا!'' میری تنبیہی پکار پر اس نے میری طرف دیکھا اور چند لمحوں کے بعد گویا ہوئی۔

''ناہید! میں تمہیں حقیقت بتاؤں تو ہم تینوں کو اپنی ساس کے مرنے کا ذرا بھی دکھ نہیں ہے۔ یہ ہے تو گھٹیا سی بات مگر تمہیں ایمانداری سے بتا رہی ہوں کہ جب مجھے معلوم ہوا کہ وہ فوت ہو گئی ہیں تو میرا دل چاہا کہ میں خوشی سے گول، گول گھوموں...... متوقع آزادی کے خیال سے میرے دل میں لڈو پھوٹنے لگے تھے۔ ان دونوں بھابیوں کی حالت بھی مجھ سے مختلف نہیں تھی۔ مجھے تو ان کے مرنے پر رنجیدہ نظر آنے کے لیے بڑی محنت کرنا پڑی تھی۔ اب جس طرح کا سلوک وہ ہم سے روا رکھتی تھیں اس کے بعد تو یہی ہونا تھا ناں......'' میں حیرت زدہ رہ گئی اور سامنے بیٹھی حمیرا میں سے اس نرم دل حمیرا کو ڈھونڈتی رہ گئی جو کسی رشتے دار کی موت پر دنوں اداس رہتی تھی۔ مگر قصور شاید حمیرا کا بھی نہیں تھا، حالات نے اسے ایسا سخت دل بنا دیا تھا۔

''اچھا ناں، چھوڑو یہ سب باتیں، میں دیکھوں ذرا چائے کدھر رہ گئی۔'' وہ ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئی اور میرے ذہن میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ فرمان گردش کرنے لگا کہ لوگوں کے ساتھ اس طرح رہو کہ جب تک تم زندہ رہو وہ تمہاری تمنا کریں یعنی تم سے ملاقات کے خواہشمند رہیں اور جب تم مر جاؤ تو تم پر روئیں۔